بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

نظرات

علّامہ محمدؔ اقبال مرحوم اپنے ایک خطبے میں (علاّمہ مرحوم کے سات خطبات کا مجموعہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" کے نام سے اُردو میں چھپ چکا ہے) الاجتہاد فی الاسلام پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"بقول ہارٹن، ۸۱۰ء سے ۱۲۰۰ء تک کا خیال کیجئے تو عالم اسلام میں کم سے کم الہیات کے ایک سو مذاہب قائم ہو چکے تھے، جس سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ اسلامی فکر میں کس قدر لچک پائی جاتی ہے، بلکہ یہ بھی کہ ہمارے ارباب فکر کس طرح شب و روز مسائل میں سرگرم اور منہمک رہتے تھے۔ لہٰذا اسلامی ادب اور اسلامی فکر کے زیادہ گہرے مطالعہ سے اس مستشرق نے جو ابھی زندہ ہے، یہ رائے قائم کی ہے کہ

"اسلام کی روح بڑی وسیع ہے، اتنی وسیع کہ اس کے کوئی حدود ہی نہیں۔ لادین افکار سے قطع نظر کر لی جائے تو اس نے گردوپیش کی اقوام کے ہر اس فکر کو جذب کر لیا جو اس قابل تھا کہ اسے جذب کر لیا جائے اور پھر اسے اپنے مخصوص انداز میں نشو و نما دیا۔"

اب اگر قانون کی دنیا میں قدم رکھئے تو اسلام کی یہ روح اور بھی نمایاں طور پر ہمارے سامنے آجائے گی چنانچہ اسلام کے ولندیزی مبصّر ہرگرونتے نے بھی لکھا ہے کہ "جب ہم اسلامی قانون کے نشو و نما کا مطالعہ بہ نگاہِ تاریخ کرتے ہیں تو جہاں یہ دیکھتے ہیں کہ فقہائے اسلام ذرا ذرا سے اختلافات میں ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے، بلکہ انہیں ملحد قرار دیتے تھے، وہاں یہی حضرات اپنے پیش روؤں کے اختلافات کو اس لئے سلجھانے کی کوشش کرتے کہ ان میں زیادہ سے زیادہ اتحاد اور یک جہتی پیدا ہو سکے۔" دورِ حاضر کے

مغربی ناقدین نے بھی اسلام کے بارے میں جو نظریات قائم کئے ہیں ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے جیسے مسلمانوں میں زندگی کو تقویت پہنچے گی اسلام کی عالمگیر روح فقہاء کی قدامت پسندی کے باوجود اپنا کام کر کے رہے گی۔

"مجھے اس امر کا بھی یقین ہے کہ جونہی فقہ اسلام کا مطالعہ غائر نگاہوں سے کیا گیا، اس کے موجودہ ناقدین کی یہ رائے بدل جائے گی کہ اسلامی قانون جامد یا مزید نشوو نما کے ناقابل ہے۔ بدقسمتی سے اس ملک کے قدامت پسند مسلم عوام کو ابھی یہ گوارا نہیں کہ فقہ اسلامی کی بحث میں کوئی تنقیدی نقطہ نظر اختیار کیا جائے۔ وہ بات بات پر خفا ہو جاتے اور ذرا سی تحریک پر بھی فرقہ وارانہ نزاعات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔"

اس سلسلے میں علامہ مرحوم نے ہمارے ہاں ارتداد کے متعلق فقہ حنفی کا جو فتویٰ مسلّم چلا آتا تھا، اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا تھا:۔ ..... "لیکن پنجاب میں، جیسا کہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ اس قسم کی صورتیں ضرور پیش آچکی ہیں، جن میں بعض غلط قسم کے خاوندوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بیویوں کو مجبوراً ارتداد کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ اب اسلام ایسے تبلیغی مذہب کے مقاصد کے لئے اس سے زیادہ ناقابل برداشت امر کیا ہو سکتا ہے؟ مشہور اندلسی فقیہہ امام شاطبی نے بھی "موافقات" میں لکھا ہے کہ شریعت اسلامیہ کو پانچ چیزوں کی حفاظت منظور ہے: دین، نفس، عقل، مال اور نسل کی، جسے اگر مان لیا جائے تو پھر اس سوال کا کیا جواب ہے کہ "ہدایہ" میں قانون ارتداد کو جو شکل دی گئی ہے وہ اس ملک (غیر منقسم برصغیر) میں ہمارے دینی مصالح کی حفاظت کے لئے کیا سچ مچ کافی ہے؟"

اس کے بعد علامہ اقبال کا ارشاد ہے:۔

"مسلمانانِ ہند چونکہ غیر معمولی طور پر قدامت پسند واقع ہوئے ہیں، لہٰذا ہندوستانی عدالتیں مجبور ہیں کہ فقہ اسلامی کی مستند کتابوں سے سر مو انحراف نہ کریں۔ اس صورت حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ تو بدل رہے ہیں، مگر قانون جہاں تھا، وہیں کھڑا ہے۔"

علامہ مرحوم نے اپنے خطبے میں جہاں ایک طرف اس امر کا اثبات کیا ہے کہ اسلام کی روح بڑی وسعت پذیر اور عالمگیر ہے، وہاں اس حقیقتِ واقعی کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ہم یعنی برصغیر پاک و ہند کے مسلمان غیر معمولی طور پر قدامت پسند واقع ہوئے ہیں۔ اسی خطبے میں ایک مقام پر علامہ نے فرمایا ہے:۔

"....پھر چونکہ ذاتِ الٰہیہ ہی فی الحقیقت روحانی اساس ہے زندگی کی۔ لہٰذا اللہ کی اطاعت فطرت صحیحہ کی اطاعت ہے۔ اسلام کے نزدیک حیات کی یہ روحانی اساس قائم و دائم وجود ہے جسے ہم اختلاف اور تغیّر میں جلوہ گر دیکھتے ہیں۔ اب اگر کوئی معاشرہ حقیقت مطلقہ کے اس تصوّر پر مبنی ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ثبات اور تغیّر دونوں خصوصیات کا لحاظ رکھے۔ اس کے پاس کچھ تو اس قسم کے دوامی اصول ہونا چاہئیں جو حیاتِ اجتماعیہ میں نظم و ضبط قائم رکھیں۔ کیونکہ مسلسل تغیر کی اس بدلتی ہوئی دنیا میں ہم اپنا قدم مضبوطی سے جما سکتے ہیں تو دوامی ہی کی بدولت۔ لیکن دوامی اصولوں کا یہ مطلب تو ہے نہیں کہ اس سے تغیّر اور تبدیلی کے جملہ امکانات کی نفی ہو جائے۔ اس لئے کہ تغیّر وہ حقیقت ہے جسے قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی آیت ٹھہرایا ہے۔ اس صورت میں تو ہم اس شے کو جس کی فطرت ہی حرکت ہے، حرکت سے عاری کر دیں گے۔"

علامّہ اقبال فرماتے ہیں :- اصول اوّل کی تائید تو سیاسی اور اجتماعی علوم میں یورپ کی ناکامیوں سے ہو جاتی ہے۔ اصول ثانی کی عالم اسلام کے پچھلے پانچ سو برس کے جمود سے۔

آج عالم اسلام کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کس طرح پچھلے پانچ سو برس کے جمود کو توڑے لیکن اس جمود کو اس طرح ٹوٹنا چاہیئے کہ اسلام کے وہ اساسات جن کی حیثیت دوامی ہے، وہ اپنی جگہ برابر قائم رہیں تاکہ ثبات و تغیّر کے فطری اصول میں خلل نہ واقع ہو۔ اس میں شک نہیں کہ دین اسلام اگر حکمت ہے اور اس سے مراد اس کے وہ اساسات ہیں، جو عالمگیر، عمومی اور اس لئے دوامی ہیں، تو اس کے ساتھ وہ قانون یعنی فقہ بھی ہے۔ اب فقہ نام ہے نظام کی مدّون صورت کا۔ انسان جس ماحول میں رہتا ہے، اس کے مطابق اسے اپنے لئے قواعد و ضوابط بنانے پڑتے ہیں۔ اگر زندگی کے لئے یہ قواعد و ضوابط نہ ہوں تو اس کا نتیجہ مکمل بدنظمی اور انتشار ہوگا۔ لیکن اگر زندگی تمام تر انہی قواعد و ضوابط میں جو ایک خاص زمانے میں تشکیل پذیر ہوئے تھے، محصور ہو کر رہ جائے، تو پھر زندگی کا کارواں ایک جگہ آ کر ٹھہر جاتا ہے، اور اہل کارواں کی نظریں بجائے آگے کی طرف دیکھنے کے، ہمہ وقت پیچھے کو لگی رہتی ہیں۔ یہ جمود ہے، اور یہی قوموں کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔

ملّتِ اسلامیہ عظمت کی بلندیوں سے ذلت و نکبت کی پستیوں میں جو گری، تو اس کا سب سے بڑا سبب یہی جمود تھا، جو فقہی جکڑبندیوں سے شروع ہوا، اور اس نے آگے چل کر ملّت کی زندگی کے ہر پہلو کو شل کر کے رکھ دیا!